رؤیت ہلال علمِ ہیئت کے نقطۂ نظر سے

ایک اور ماہرِ فن کی تصریحات

(۲)

سوال۔ اگر رویت کی قطعی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی تو اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب۔ جیسا کہ گذشتہ جواب سے معلوم ہوا، رویت کی قطعی پیش گوئی صرف اُس علاقے کے لیے نہیں کی جاسکتی جو "غیر یقینی منطقے" میں پڑ رہا ہو۔ اس کا بنیادی سبب موسمی حالات اور فضائی کیفیات پر مشتمل مختلف غیر یقینی عوامل ہیں۔ چنانچہ مشرقی پاکستان جیسے کسی چھوٹے علاقے کے لیے، جو کسی ماہ غیر یقینی منطقے میں پڑ رہا ہو، رویت یا عدمِ رویت کی قطعی پیش گوئی کرنا تقریباً ناممکن ہوگا۔ ایسی پیشگوئی کے لیے مشکل بڑے علاقوں کے تعلق سے بھی اُس وقت پیش آسکتی ہے جب مثلاً منطقۂ فاصل کا ابتدائی یا شرقی نصف حصہ مغربی پاکستان یا ایران کے غربی علاقوں میں پڑے۔ جب ایسی صورت ہوگی تو مغربی پاکستان میں یا ایران میں بھی رویتِ ہلال کی بابت حتمی طور پر کوئی بات کہنا ناممکن ہوگا۔

سوال۔ کیا یہ صحیح ہوگا کہ رویت کے بجائے اصطلاحی نئے چاند کی پیدائش کو رمضان اور عیدین کی تاریخیں مقرر کرنے کے لیے بنیاد بنالیا جائے؟

جواب۔ راقم الحروف کی رائے میں یہ صحیح نہیں ہوگا۔ سوال ۱ کے جواب میں اُس آیت کا ذکر کیا جاچکا ہے جس میں ہلالوں کو وقت کی نشانیاں بتایا گیا ہے اور جو عبادات کے لیے قمری مہینوں کے آغاز کی بنیاد ہیں۔ دینِ فطرت کے احکام کی طرح راقم الحروف کی رائے میں اُن سے متعلق تعینات و شرائط بھی مابعد الطبیعیاتی مصالح اور حکمتیں رکھتی ہیں۔ کیونکہ یہ بھی احکام میں شامل ہیں اور ان سے ہٹنے کی صورت میں ہم متعلقہ مابعد الطبیعیاتی اثرات سے، جو ہمارے لیے مفید ہیں، محروم ہو جاتے ہیں (اس بارے میں سوالنامہ ہذا کے جوابوں

کے ختم پر مختصر بحث کی جائے گی)۔ دوسرے یہ کہ جیسا کہ گزشتہ جوابوں میں بھی بتایا جا چکا ہے، رویت کے لیے "غیر یقینی منطقۂ فاصل" ایک نسبتہً محدود علاقہ ہوتا ہے جس کی بعض مرتبہ عملاً کوئی اہمیت بھی نہیں ہوتی (ملاحظہ ہو جواب ۲)۔ لہٰذا ایک مختصر سے علاقے میں نیا چاند دیکھنے کے مناسب انتظامات کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے بجائے آغازِ ماہ کے تعین کے لیے ہلالوں کی رویت کے اصول کو بدلنا درست نہیں معلوم ہوتا۔ تیسرے یہ کہ اگر فلکیاتی نئے چاند کو آغازِ ماہ کی بنیاد بنا لیا جائے تو اس کے اطلاق کے لیے بھی وقت کی کوئی معیاری نوبت قائم کرنا ہوگی اور اگر تصور یہ ہے کہ اس طرح سارے عالم میں قمری تاریخیں یکساں ہو سکیں گی تو یہ تصور بھی پورا نہیں ہوگا۔ یہ بات کچھ وضاحت طلب ہے۔ مختلف تقویموں میں تاریخ یا 'دن' کے آغاز کے لیے (جس میں دن اور رات دونوں شامل ہوتے ہیں) کوئی نہ کوئی حدِ فاصل یا معیاری نوبت مقرر کی گئی ہے۔ مثلاً اسلامی تقویم میں 'دن' غروبِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک شمار ہوتا ہے۔ ہندو تقویم میں 'دن' طلوعِ آفتاب سے طلوعِ آفتاب تک شمار ہوتا ہے۔ اور دورِ حاضر میں 'دن' ہر جگہ رات کے بارہ بجے سے شروع ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر ہم فلکیاتی نئے چاند کو ہی بنیاد بنائیں تو اسلامی تقویم کے عملدرآمد کے مطابق ہمیں اس کے لیے بھی معیاری نوبت غروبِ آفتاب ہی کے وقت کو بنانا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا آغازِ ماہ اُس علاقے سے ہوگا جہاں غروبِ آفتاب کے وقت تک یا اس سے پہلے کرۂ قمر فلکیاتی نئے چاند کی منزل پر پہنچ جائے۔ اس صورت میں بھی دنیا کے مختلف مقامات کے لیے بالکل اُسی طرح جیسے رویتِ ہلال کے تحت ہوتا ہے، دو قمری تاریخیں ہوں گی یہی صورت اُس وقت بھی ہوگی جب فلکیاتی نئے چاند کے اطلاق کے لیے معیاری نوبت غروبِ آفتاب کے بجائے طلوعِ آفتاب کو قرار دیا جائے۔ زمین کی گولائی کی بنا پر اس صورتِ حال سے مفر نہیں۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ کوئی خاص خطِ فاصل متعین نہ کیا جائے اور محض فلکیاتی نئے چاند کا وقت پیشِ نظر رکھا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جب نیا ماہ یا نئی قمری تاریخ شروع ہوگی تو کسی جگہ صبح کے دس بجے ہوں گے، کسی جگہ دوپہر کے بارہ بجے کا وقت ہوگا اور اسی طرح دوسرے مقامات پر سہ پہر کے مختلف اوقات ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مثلاً کسی جگہ دن کے دو بجے تک رمضان کی ۳۰ تاریخ ہوگی اور دو بجے سے شوال کی پہلی تاریخ شروع ہوگی۔ اس صورت میں آخری روزے کا کیا ہوگا؟ اگر یہ طے کیا جائے کہ ایسے تمام مقامات کے لیے جہاں کرۂ قمر فلکیاتی اصطلاح کا نیا

چاند واقع ہونے کی نوبت پر دن کے کسی وقت بھی پہنچے، صبح ہی سے یا گذشتہ شام سے آغازِ ماہ قرار دیا جائے تو پھر مجرّد فلکیاتی نئے چاند کی بنیاد کہاں باقی رہی ؟ اور یہ آخر شریعت کے کس حکم کی پابندی ہوگی ؟

فلکیاتی نئے چاند کو آغازِ ماہ کی بنیاد قرار دینے سے پاکستان کے لیے ایک خصوصی مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہلال آغازِ ماہ کی بنیاد ہو تو ممکن ہے کہ کسی ماہ خطِ رویت کی ابتدا مغربی پاکستان سے ہونے پر، کسی اجتہاد کے تحت مشرقی پاکستان میں بھی نئے ماہ کا آغاز قرار دیا جاسکے۔ کیونکہ یہ صورت بہرحال نئے چاند کے اس برِ صغیر کے ایک حصے میں دکھائی دینے کی ہوگی اور دوسرے حصوں کے لیے وہ دکھائی دینے کی منزل کے قریب پہنچ چکا ہوگا۔ لیکن اگر بنیاد فلکیاتی نیا چاند ہو اور کرۂ قمر کسی شام کو مغربی پاکستان کے انتہائی غربی حصے میں مغرب کے بالکل قریب فلکیاتی نئے چاند کی نوبت پر پہنچے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مشرقی پاکستان میں وہ غروبِ آفتاب کے وقت فلکیاتی نئے چاند کی منزل پر بھی نہیں پہنچا ہوگا بلکہ غروبِ آفتاب سے پہلے غروب ہو چکا ہوگا۔ اس صورت میں مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان قمری تاریخوں کی یکسانیت قائم رکھنے کا کوئی سوال باقی نہیں رہے گا۔

سوال ۱۳:۔ کیا یہ صحیح ہوگا کہ اصطلاحی نئے چاند کی پیدائش کے وقت سے حساب لگا کر پیشگی یہ طے کر لیا جائے کہ ہلال فلاں تاریخ کو طلوع ہوگا بلالحاظ اس کے کہ اس تاریخ کو عملاً رویت ہو یا نہ ہو ؟ بہ الفاظ دیگر کیا اس کا امکان ہے کہ ہلال کے طلوع کی جس روز پیش گوئی کی گئی ہے اس روز واقعی رویتِ ہلال نہ ہو سکے گی ؟

جواب۔ اس سوال کی بابت بھی راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت درست نہیں ہوگی کیونکہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ ہم کسی علاقے کے لیے رویتِ ہلال کی پیش گوئی کریں اور وہاں حقیقۃً رویت نہ ہو۔ اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اسلامی ملکوں کی حکومتوں یا مذہبی اداروں کو چاہیے کہ جس طرح وہ اپنے دیگر مذہبی امور کا انتظام و انصرام کرتے ہیں اسی طرح کم از کم تین اہم قمری مہینوں، یعنی رمضان، شوال اور ذی الحجہ کے نئے چاند دیکھنے کے مناسب انتظامات کرائیں۔ یہاں دو تین باتیں واضح طور پر ذہن میں رکھنی چاہییں: (۱) کسی بھی مہینے اُس علاقے کا آسانی سے تعین کیا جا سکتا ہے جہاں رویتِ ہلال کا غیر یقینی منطقہ پڑتا ہو۔ چنانچہ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہر ماہ تمام اسلامی ملکوں کو یہ انتظامات کرنا ہوں گے

بلکہ صرف اُس علاقے میں ایسا انتظام کرنا ہو گا جہاں غیر یقینی منطقہ واقع ہو رہا ہو۔ (ب) کسی ملک کے ایک علاقے میں رویت ہو تو اس کا اطلاق چونکہ سارے ملک پر ہوتا ہے اس لیے بعض مہینوں میں یہ علاقہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی نسبتہً بڑے ملک کے لیے یقین کے ساتھ رویت کی پیش گوئی کی جا سکے۔ اس صورت میں کسی جگہ بھی کوئی خاص انتظام کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی بلکہ عمل درآمد یہ ہو سکے گا کہ زیر نظر ملک کے مشرق میں رویت متصور نہیں ہو گی اور حقیقتہً بھی نہیں ہو گی اور اس ملک کے مغرب میں ہر جگہ نیا چاند دکھائی دے گا۔ (ج) بعض مہینے ایسے بھی ہوں گے کہ جب رویت یقینی طور پر انڈونیشیا میں یا اس کے مشرق میں ہو جائے گی چنانچہ عالمِ اسلام میں ہر جگہ نیا چاند دکھائی دیگا اور اس صورت میں کسی اسلامی ملک میں بھی مذکورہ انتظامات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہو گی۔ اس سے واضح ہوا کہ یہ انتظامات نہ ہر ماہ کرنے ہوں گے، نہ ہر ملک میں کرنے ہوں گے اور نہ اتنے وسیع پیمانے پر کرنے ہوں گے کہ ناممکن العمل ہوں۔

سوال ۱۴: کیا سطح سمندر سے بلندی یا عرض بلد کے فرق سے رویت پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے۔ اگر پڑ سکتا ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے؟

جواب: سطح سمندر سے بلندی اور عرض البلد کے فرق سے رویت پر اثر پڑ سکتا ہے۔ سطح سمندر سے بلندی (خصوصاً جبکہ کوئی مقام سمندر سے دور بھی ہو، اس معنی میں رویتِ ہلال کے لیے کم سازگار ہو سکتی ہے کہ جہاں فضا خشک ہو یعنی اس میں نمی یا آبی بخارات نہ ہوں یا بہت کم ہوں اور جہاں بادپیمائی دباؤ (BAROMETRIC PRESSURE) کم ہو جیسا کہ بلند مقامات پر ہوتا ہے، وہاں انعطافِ نور (REFRACTION OF LIGHT) کا مظہر اُفق کے قریب کسی جرمِ فلکی کے دیکھے جانے کے لیے کم سازگار ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مقام کی بلندی، بشرطیکہ اس کے اطراف میں پہاڑ یا ایسی ہی دوسری رکاوٹیں نہ ہوں رویت کے لیے حالات کو کچھ سازگار بھی بنا سکتی ہے۔ ان دونوں پہلوؤں کا موازنہ ہر مقام کی اپنی جائے وقوع اور جغرافیائی ماحول کے لحاظ سے کرنا ہو گا۔ رہے وہ مقامات جو ساحلِ سمندر پر واقع ہوں، تو وہ بڑھے ہوئے بادپیمائی دباؤ اور آبی بخارات کی وجہ سے انعطافِ نور کی بڑھی ہوئی شرح کی بنا پر رویتِ ہلال کے لیے زیادہ سازگار ہو سکتے ہیں۔

عرض البلد کے فرق سے بھی رویت متاثر ہو سکتی ہے کیونکہ اس فرق کی بنا پر ایک ہی طول البلد لیکن مختلف عرض البلد والے مقامات پر طلوع و غروبِ آفتاب کے اوقات میں فرق پڑے گا اور اس چیز پر موسموں کی تبدیلی اثر انداز ہوگی۔ موسم گرما میں عرض البلد کے بڑھنے کے ساتھ طلوعِ آفتاب جلد اور غروبِ آفتاب دیر میں ہوتا ہے اور موسم سرما میں صورتِ حال اس کے برعکس ہوتی ہے، یعنی عرض البلد کے بڑھنے پر طلوعِ آفتاب دیر میں اور غروب جلد ہوتا ہے۔ موجودہ بحث میں چونکہ ہمیں رویتِ ہلال سے سروکار ہے اس لیے صرف غروبِ آفتاب کے اوقات پر غور کرنا کافی ہوگا۔ اس نوبت پر یہ رعایت بھی پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ مختلف عرض البلدوں پر غروبِ آفتاب کے اوقات میں، فی درجہ عرض البلد فرق کی شرح، مختلف موسموں میں مختلف ہوتی ہے یعنی یہ فرق گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ جاڑوں اور گرمیوں میں یہ فرق زیادہ ہوتا ہے اور درمیانی موسموں میں بہت کم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بعض تاریخیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جن میں عرض البلد کے چند درجوں کا فرق طلوع و غروب پر اثر انداز نہیں ہوتا یا بہت کم اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ تاریخیں مارچ اور ستمبر کی ۲۱، ۲۲ کے آس پاس ہوتی ہیں۔ عرض البلد کی تبدیلی سے غروبِ آفتاب کے اوقات میں فرق کا یہ پہلو قابلِ غور ہے کہ عرض البلد کے وہ درجات جو خطِ استوا سے زیادہ دُور ہیں (مثلاً ۵۵ تا ۶۰ درجے عرض البلد شمالی یا جنوبی)، وہاں نسبتہً قریب کے درجات (مثلاً ۲۵ تا ۳۰ درجے عرض البلد شمالی یا جنوبی) کے مقابلے میں غروبِ آفتاب کے وقت کے درمیان فی درجہ فرق زیادہ تیزی سے بڑھتا ہے۔ مثال کے طور پر جاڑوں میں ۲۰، ۲۲ دسمبر کے آس پاس، ۲۵ درجے عرض البلد شمالی (جو کراچی کا عرض البلد ہے) اور ۳۰ درجے عرض البلد شمالی (جو تقریباً کوئٹہ کا عرض البلد ہے) کے درمیان غروبِ آفتاب میں فرق ۱۰، ۱۱ منٹ کا ہوتا ہے یعنی کوئٹہ میں غروبِ آفتاب ۱۰، ۱۱ منٹ جلد ہو جاتا ہے۔ (واضح ہو کہ کراچی اور کوئٹہ ایک ہی طول البلد پر واقع ہیں)۔ اسی طرح گرمیوں میں، مئی اور جولائی کی ۲۲ تاریخ کے آس پاس، کراچی کے مقابلے میں کوئٹہ پر غروب ۱۰ منٹ دیر میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے بالمقابل ۵۵ اور ۶۰ درجے عرض البلد کے درمیان جاڑوں میں، ۲۲ دسمبر کے آس پاس، غروبِ آفتاب کے وقت میں تقریباً ۴۰ منٹ کا فرق ہوتا ہے یعنی ۵۵ درجے کے مقابلے میں ۶۰ درجے عرض البلد پر غروبِ آفتاب ۴۰ منٹ پہلے ہو جاتا ہے اور گرمیوں

ہیں، مئی اور جولائی کی ۲۲ تاریخ کے آس پاس، ۵۵ درجے کے مقابلے میں ۶۰ درجے عرض البلد پر غروب ۳۶ منٹ دیر سے ہوتا ہے۔ مارچ اور ستمبر کی ۲۱، ۲۲ تاریخ کے آس پاس ۲۵ اور ۳۰ درجے عرض البلد کے درمیان غروب آفتاب میں وقت کا کوئی فرق نہیں ہوتا جبکہ ۵۵ اور ۶۰ درجے کے درمیان غروب آفتاب کے وقت میں فرق صرف ۴ منٹ کا ہوتا ہے۔ ان تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ کسی شام کو میلِ قمری کا درجہ بھی پیشِ نظر رکھنا ہوگا تاکہ اسی کے مطابق ہلال کے غروب کے وقت تک رویت کے امکان کا حساب یا اندازہ لگایا جاسکے۔

عرض البلد کی تبدیلی، غروبِ آفتاب کے اوقات میں مذکورۂ بالا فرق کے علاوہ، میلِ قمر کے نقطۂ نظر سے اُس وقت نمایاں طور پر اثرانداز ہوگی جب میلِ قمری مخالف سمت میں ہو، یعنی نصف کرۂ جنوبی کے لیے میلِ قمر شمالی یا نصف کرۂ شمالی کے لیے میلِ قمر جنوبی ہو۔ میلِ سیارگان (PLANETARY DECLINATIONS) کے درجات، زمین کے مماثل عرض البلد کے درجات سے سمت الراس پر واقع ہوتے ہیں۔ اس طرح کسی تقویمِ فلکی کے اندراجات کو دیکھ کر یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کسی شام کو میلِ قمری زمینی عرض البلد کے کن درجات کے لیے زیادہ سازگار ہے اور کون سے مقامات رویتِ ہلال کے نسبتہً کم امکانات رکھتے ہیں۔

عرض البلد کے فرق سے مختلف موسموں میں جھٹ پٹے کی روشنی کا دوران بھی کم و بیش ہوتا رہتا ہے جو رویتِ ہلال پر اثرانداز ہوسکتا ہے۔ یہاں رویتِ ہلال کی بنیادی سائنسی شرط کی وضاحت ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ کسی شام کو نیا چاند اس وقت نظر آئے گا جب اس کی چمک جھٹ پٹے کی روشنی سے بڑھ جائے۔ کیونکہ کسی روشن پس منظر پر دُور کی کوئی چمکدار چیز اُسی وقت نظر آئے گی جب اس کی چمک، اپنے پس منظر کی روشنی سے بڑھ جائے۔ اسی چیز کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب تک ہلال کے پس منظر کا افق، جھٹ پٹے کی روشنی کی بنا پر، نئے چاند سے زیادہ روشن ہوگا اس وقت تک ظاہر ہے کہ رویت نہیں ہوسکے گی۔ اس کے لیے افق کی روشنی کا اتنا مدھم پڑجانا ضروری ہے کہ ہلال کی دمک نمایاں ہوسکے۔ چنانچہ رویتِ ہلال کے لیے محض یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ اگر کسی شام کو نیا چاند غروبِ

آفتاب کے بعد اُفق سے کچھ اُونچا ہو تو اسے لازماً نظر آنا چاہیے۔

جھٹ پٹے کی روشنی کو سائنسی طور پر تین حصّوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ روشنی اُس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک آفتاب اُفق سے عموداً ۱۸ درجے نیچے نہ چلا جائے۔ اور عرض البلد کے اختلاف سے مختلف موسموں میں آفتاب کو اُفق سے عموداً ۱۸ درجے نیچے پہنچنے کے لیے مختلف اوقات درکار ہوتے ہیں۔ چنانچہ مختلف عرض البلدوں پر جھٹ پٹے کی روشنی کی مدت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ خطِ استوا پر جھٹ پٹے کا مجموعی دوران ۷۲ منٹ (تقریباً سوا گھنٹہ) ہوتا ہے، کیونکہ وہاں آفتاب عمودی طور پر غروب ہوتا ہے اور زمین کی محوری حرکت جو ۴ منٹ فی درجہ (طول البلد) ہوتی ہے اس کی بنا پر آفتاب کو اُفق سے ۱۸ درجے نیچے جانے میں ۱۸ × ۴ = ۷۲ منٹ لگتے ہیں۔ لیکن بڑھتے ہوئے شمالی یا جنوبی عرض البلدوں پر، خصوصاً موسم گرما میں، آفتاب کے اُفق سے نیچے جانے کا خط ترچھا ہوتا ہے، چنانچہ اسے اُفق سے عموداً ۱۸ درجے نیچے ہونے میں زیادہ دیر لگتی ہے۔ اس سبب سے ان مقامات پر جھٹ پٹے کی روشنی زیادہ دیر تک رہتی ہے جس کا دوران عرض البلد کے درجات پر منحصر ہوتا ہے۔

جھٹ پٹے کی مجموعی روشنی کی تقسیم حسب ذیل ہے: اس کا پہلا حصّہ وہ ہے جو آفتاب کے اُفق سے عموداً ۶ درجے نیچے پہنچنے تک باقی رہتا ہے۔ اسے انگریزی اصطلاح میں (CIVIL TWILIGHT) کہتے ہیں اور یہ مسلّمہ طور پر اتنی تیز ہوتی ہے کہ اگر ہلال اور آفتاب کے درمیان ۶ درجے یا اس سے کم کا فرق ہو تو چاند کے دکھائی دینے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ جھٹ پٹے کی روشنی کا دوسرا حصّہ وہ ہوتا ہے جب آفتاب اُفق کے نیچے عموداً ۶ درجے سے ۱۲ درجے تک کے فصل پر ہو۔ اسے اصطلاح میں (NAUTICAL TWILIGHT) یا بحری جھٹ پٹے کی روشنی کہتے ہیں کیونکہ یہ کھلے سمندروں پر ہی ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ جھٹ پٹے کی روشنی کا آخری حصّہ وہ ہوتا ہے جب آفتاب، اُفق سے عموداً ۱۲ درجے سے ۱۸ درجے تک کے فصل پر ہو۔ چونکہ اس روشنی کا دوران مختلف موسموں میں، عرض البلد کے اختلاف کی بنا پر کم و بیش ہوتا رہتا ہے اس لیے ایک ہی طول البلد لیکن مختلف عرض البلد والے مقامات پر رویتِ ہلال اس روشنی سے مختلف طور پر متاثر ہوگی۔

سوال ۱۵۔ کیا پندرھویں رات کا چاند ہمیشہ غروب آفتاب کے بعد اُفق پر طلوع ہوتا ہے یا کبھی

اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے ؟

جواب ۔ پندرھویں رات کا چاند غروب آفتاب کے بعد افق پر طلوع ہوگا ۔اس کے خلاف اس لیے نہیں ہوتا کہ چاند اس شکل میں جسے اصطلاحاً ماہ کامل (FULL MOON) کہتے ہیں، رویت کے حساب سے عموماً چودھویں رات میں کسی وقت دکھائی دیتا ہے۔ فلکیاتی طور پر ماہِ کامل اُس وقت ہوتا ہے جب آفتاب اور چاند کے درمیان منطقۃ البروج (ZODIAC) کے ٹھیک ۱۸۰ درجے کا فرق ہو، یعنی آفتاب کی نسبت سے چاند آسمان پر بالکل مخالف سمت میں ہو۔ یہاں یہ بات ذہن میں رکھنے کے قابل ہے کہ ہر مقام کے لیے رویت کے حساب سے ماہ کامل کا چودھویں رات کے دوران واقع ہونا ضروری نہیں ہے ۔ظاہر ہے کہ جس وقت ماہِ کامل ہوگا اس وقت بعض مقامات پر چاند کی ۱۳ تاریخ اور بعض دوسرے مقامات پر ۱۴ تاریخ کو دن کے مختلف اوقات ہوں گے ۔تاہم ۱۴ تاریخ گزر کر غروب آفتاب کے وقت تک چاند منطقۃ البروج پر آفتاب کے بالمقابل باقی نہیں رہتا بلکہ کچھ آگے بڑھ جاتا ہے اس لیے اُسے غروبِ آفتاب کے بعد ہی طلوع ہونا چاہیے

سوال ۱۶ ۔علم ہیئت کے حسابوں میں غلطی کے امکانات کس حد تک ہیں ؟

جواب ۔علمِ ہیئت کے حسابوں میں غلطی کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں لیکن رویتِ ہلال کا مسئلہ صرف علم ہیئت کے حساب پر منحصر نہیں بلکہ اس میں موسمی حالات اور فضائی کیفیات کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے اور اس وجہ سے اس میں غیر یقینیت کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے۔

مزید توضیحات

رویتِ ہلال اور اس کے مطابق عمل درآمد کا مسئلہ آج کل زیادہ پیچیدہ اس لیے معلوم ہو رہا ہے کہ اسے غیر ضروری طور پر اُلجھا دیا گیا ہے اور اس مسئلے پر علمی اور سائنسی نقطۂ نظر سے غور کر کے اسے حل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے ۔اس بارے میں سائنسی طور پر ٹھوس تجاویز پیش کی جا سکتی ہیں اور ان میں سے بعض بنیادی باتوں پر عمل کر کے یہ انتشار دُور کیا جا سکتا ہے ۔

اس سوالنامہ کا جواب دیتے ہوئے مَیں نے سوال ۱۲ کے جواب میں دینِ فطرت کے احکام کے مابعد الطبیعیاتی پہلو کی طرف جو اشارہ کیا ہے اس کی متعدد مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں ۔یہ خصوصیات تمام آسمانی

احکام میں نمایاں ہیں جن میں وہ احکام بھی شامل ہیں جو حضرت خاتم النبیینؐ سے پہلے، دوسرے پیغمبروں کے ذریعے بنی نوعِ انسان تک پہنچائے گئے۔ مختلف اُمتوں کے لیے ہفتے کے مختلف دنوں کا عبادات یا دوسرے اعمال کے لیے مخصوص کیا جانا اس کی ایک واضح مثال ہے۔ حضرت موسیٰ کی اُمت کے لیے ہفتے کے دنوں میں سنیچر کی اہمیت اور مسلمانوں کے لیے جمعے کی اہمیت سے سب واقف ہیں۔ ویسے تو سب دن بظاہر ایک طرح کے ہیں لیکن جمعے کی فضیلت جو ندہبًا مسلّم ہے اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ دن اُمتِ مُسلمہ کے لیے دوسرے دنوں کے مقابلے میں کوئی خاص اہمیت یا خصوصیت رکھتا ہے اور یہ ایک مابعد الطبیعیاتی چیز ہے۔ اسی طرح بعض مہینوں اور قمری مہینوں کی بعض تاریخوں کا چند خاص مابعد الطبیعیاتی اُمور سے متعلق ہونا مذکورۂ بالا دعوے کا ایک اور ثبوت ہے۔ ماہ رمضان کو قرآن مجید سے ایک خصوصی مناسبت اِس مہینے کی مابعد الطبیعیاتی خصوصیات ہی کی بنا پر ہے۔ اسی مہینے کی ایک رات میں جو شب قدر کہلاتی ہے، قرآن حکیم لوحِ محفوظ سے آسمان اوّل پر یک وقت نازل ہوا جہاں سے رفتہ رفتہ حسبِ ضرورت وحی کی شکل میں سرورِ کائنات تک پہنچا۔ اسی بنا پر شبِ قدر کا اپنی فضیلت میں ہزار مہینوں سے بہتر ہونا اس شب کی مابعد الطبیعیاتی خصوصیات کو ظاہر کرتا ہے ورنہ بظاہر تو وہ بھی عام راتوں کی طرح ہی ایک رات ہے۔ پھر اس شب کا ماہ رمضان میں واقع ہونا دوسرے مہینوں پر اس ماہ کی فضیلت کا ثبوت ہے۔ اسی طرح باقی ۱۱ مہینوں کے منجملہ چار مہینوں یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کا اشہُرِ حُرُم قرار دیا جانا ان مہینوں کی مابعد الطبیعیاتی خصوصیات کی بنا پر ہے۔ اس ضمن میں سورۂ توبہ (پ ۱۰) کی ۳۶ ویں اور ۳۷ ویں آیات پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قدرت کے نزدیک عبادات کے لیے، جن بارہ مہینوں کا حساب ہے وہ قمری مہینے ہیں اور یہ کہ قدرت کے مقرر کردہ حساب میں تغیر و تبدل کرنا (جیسا کہ مشرکین عرب کیا کرتے تھے) خدا کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ چیز ہے۔

اس کے ساتھ ہی قمری مہینوں کا آغاز رویتِ ہلال سے ہونا فطرت کا ایک معیار ہے اور فطرت کے اس معیار کی بنیادوں پر بعض تاریخوں یا خصوصی دنوں اور راتوں کا تعین ہوتا ہے۔ شب برات جو رویتِ ہلال کے حساب سے ماہ شعبان کی پندرھویں شب ہوتی ہے، انتظامِ قضا و قدر میں بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس رات کو، اگلے ایک سال کے واسطے روئے زمین کے تمام انسانوں کے مقدرات کے مطابق

احکام جاری ہونے ہیں حتیٰ کہ اس سال کے دوران پیدا ہونے والے بچّوں کے لیے بھی رزق اور دوسرے مقدرات کے تعین کے مطابق انتظام اسی رات کو ہو جاتا ہے۔ ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ کارخانۂ قدرت میں بعض مہینے، اور بعض مہینوں کے چند خاص دن یا راتیں اپنی خصوصیات اور اہمیت رکھتی ہیں۔ ایسی ہی اہمیت ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو حاصل ہے جو حج کا دن ہے اور جس کا تعین قدرت کے معیار کے مطابق رویتِ ہلال کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اس کی صاف صاف وضاحت سورۂ بقرہ کی اس آیت میں موجود ہے جس کا حوالہ سوال ۱ کے جواب میں دیا گیا ہے اور جس میں ہلالوں کو حج کے لیے وقت کی ایک نشانی قرار دیا گیا ہے۔ قمری مہینوں کا آغاز رویتِ ہلال سے کرنے کے اصول پر قرآنِ حکیم نے مذکورہ آیت کے ذریعے مہرِ تصدیق ثبت کر دی ہے۔ منازلِ قمر یعنی چاند کی مختلف نوبتوں کو وقت کے حساب و شمار کی بنیاد بنانے کی طرف قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی اشارے ہیں۔ سورۂ یونس (۱۰) کی چھٹی آیت ہے: هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ۝ "وہی (ذات باری) ہے جس نے بنایا آفتاب کو (روشنی کا ذریعہ) اور چاند کو ایک نور، اور مقرر کیں اس کے لیے منزلیں تاکہ تم واقف ہو سکو برسوں کے شمار سے اور (تاریخوں کے) حساب سے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بے مقصد (بے فائدہ) نہیں بنایا۔ وہ واضح کرتا ہے اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ والے ہیں۔" منازلِ قمر کی طرف سورۂ یٰسٓ کی ۳۹ ویں آیت میں بھی اشارہ ہے۔ وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰی عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِیْمِ "اور مقرر کیں ہم نے چاند کے لیے منزلیں یہاں تک کہ وہ لوٹتا ہے (کھجور کی) پرانی ٹہنی کی (منحنی) شکل میں"۔ جس سے ہلال کی شکل کی طرف اشارہ ہے۔ غرض جب کارخانۂ فطرت میں حساب (عبادات کے لیے) قمری مہینوں کا ہے اور ان مہینوں کے آغاز و اختتام کی بنیاد ہلال ہے جو منازلِ قمر یعنی چاند کی مختلف نوبتوں میں سے ایک نوبت ہے (کیونکہ چاند ہر ماہ کے آخر میں غائب رہنے سے پہلے بھی ہلال کی شکل اختیار کر لیتا ہے گو وہ اس وقت طلوعِ آفتاب سے پہلے مشرق میں دکھائی دیتا ہے) تو آغازِ ماہ کے تعین کے لیے اس منزلِ قمر سے زیادہ اور کونسی بدیہی اور قدرتی نوبت ہو سکتی ہے جب کرۂ قمر پہلی مرتبہ

غروبِ آفتاب کے بعد ہلال کی شکل میں دکھائی دے جو اُسے خاص و عام کے دیکھنے کا وقت ہوتا ہے۔ یہ قدرتی پیمانہ اتنا سادہ اور بدیہی ہے کہ انتہائی دُور افتادہ دیہات میں بھی ہر کس و ناکس اس سے واقف ہوتا ہے اور اس کے مطابق بہ آسانی عمل کر سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر فلکیاتی نئے چاند کو آغاز ماہ کا معیار قرار دیا جائے تو ان مشکلات کے علاوہ جن کا ذکر سوال ۱۲ کے جواب میں کیا گیا ہے، مسلم مملکتوں کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہو جائے گی کہ وہ سائنسی حساب کی مدد سے فلکیاتی نئے چاند کی بنیاد پر متعین کی جانے والی تاریخوں سے اپنے ملکوں کے گوشے گوشے میں عوام کو مطلع کریں۔

یہاں ضمناً اس بات کی وضاحت مناسب ہوگی کہ مہینوں اور ان کے آغاز و اختتام کی قمری بنیاد عبادات کے لیے ہے۔ اس ضمن میں ماہِ رمضان اور روزوں کی مثال بہ طورِ خاص توجہ طلب ہے۔ اگر ایسے مذہبی امور کے لیے بنیاد قمری مہینے نہ ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ دنیا کے بعض علاقوں میں رمضان کے روزے ہمیشہ سخت موسم اور تکلیف دہ حالات میں رکھے جاتے اور بعض علاقوں کے لوگوں کے لیے وہ ہمیشہ آسان رہتے۔ یہ بات تربیت کی اس روح کے منافی ہے جو دینِ فطرت اپنے پیروؤں کو دینا چاہتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ اس کے پیروؤں کو سال کے مختلف موسموں میں دن بھر بھوکے پیاسے رہ کر اپنے روزمرہ کے کام، جن میں محنت و مشقت کے کام بھی ہو سکتے ہیں، سرانجام دینے کی تربیت حاصل ہو۔ اگر ماہِ رمضان کا انحصار شمسی حساب پر ہوتا تو یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بالمقابل مہینوں کی قمری بنیاد کی صورت میں ۳۲، ۳۳ سال کے ایک دَور میں ہر مہینہ سال کے مختلف موسموں کا ایک دورہ مکمل کر لیتا ہے اور مذکورۂ بالا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ عبادات سے ہٹ کر دنیاوی نظم و نسق کے لیے شمسی حساب ٹھیک ہے کیونکہ ملکوں کے محاصل کا دار و مدار عموماً فصلوں وغیرہ پر ہوتا ہے۔ چونکہ موسموں کی تبدیلی آفتاب پر منحصر ہے اور یہ بھی قدرت ہی کا ایک حساب اور نظام ہے، جو مادی امور سے متعلق ہے اس لیے دنیاوی نظم و نسق سے متعلق اسی کو اختیار کیا جانا چاہیے۔ قمری حساب مذہبی اور ماورائے مادی امور کے لیے ہے۔

مختصر یہ کہ سال کے بعض مہینوں اور ان مہینوں کی بعض خاص تاریخوں، دنوں یا راتوں کے

تعین، یا ہفتے کے بعض خصوصی دنوں کے تعین کی مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دن یا مہینے بعض امور سے متعلق کچھ ماورائے مادی خصوصیات رکھتے ہیں۔ بالکل اسی طرح احکامِ قرآنی کے تحت قمری مہینوں کا نئے دیکھے جانے والے چاند سے آغاز بھی اپنی جگہ مابعد الطبیعیاتی معنویت رکھتا ہے اور ایسے آغاز کی رُو سے بعض عبادات کے لیے مقرر کی جانے والی تاریخیں لازماً ماورائے مادی حکمتیں اور خصوصیات رکھتی ہیں۔ تب ہی تو مثلاً حج کے لیے ذی الحجہ کی نویں تاریخ کا تعین کر دیا گیا جو علمِ الٰہی میں یقیناً اپنی خاص برکات رکھتی ہے۔ ان حقائق کے پیشِ نظر اس امر پر غور کیجیے کہ اگر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی تاریخ سے ایک یا دو دن پیشتر ہی حج کر لیا تو کیا اس اجتماع کو وہ برکات حاصل ہو سکتی ہیں جو علمِ الٰہی میں ایک مقررہ تاریخ کے تحت اُسے حاصل ہوں گی۔ اس کی مثال کچھ ایسی ہو گی جیسے ہم کسی ہفتے میں جمعرات کو اور کسی ہفتے میں بدھ کے دن کو جمعہ قرار دے لیں اور اس دن ظہر کے وقت دو رکعتیں ادا کر کے یہ سمجھ لیں کہ جمعے کا فرض بھی ہمارے ذمے سے ساقط ہو گیا اور نمازِ جمعہ کا ثواب بھی ہمیں مل گیا! یا شعبان کی پندرھویں شب کی بجائے چودھویں یا تیرھویں رات کو شبِ برات سے متعلق عبادات نافلہ انجام دیں۔ ہمیں واضح طور پر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے ان اعمال سے کارخانۂ قضا و قدر کے انتظامات نہیں بدل سکتے، بلکہ اگر ہم اپنی عبادتوں کو غلط تاریخوں یا دنوں میں انجام دیتے ہیں تو یہ عبادتیں اُن فوائد سے محروم رہتی ہیں جو انہیں احکامِ الٰہی کے مطابق صحیح وقت پر انجام دینے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ رمضان کے روزوں کا بھی بیشتر ملکوں میں یہی حال ہو رہا ہے کہ یہ متبرک مہینہ فطرت کے مقرر کیے ہوئے معیاروں سے عموماً ایک دو دن پہلے ہی شروع کر دیا جاتا ہے اور ایک دو روز پہلے ختم بھی ہو جاتا ہے۔ اس طرح دنیا کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہر سال دو ایک ایسے روزے رکھتی ہے جو فرض نہیں ہیں اور ان کے بدلے دو ایک فرض روزے چھوٹ جاتے ہیں۔ اس سنگین صورت حال سے متعلق ایک قوی شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ محض اتفاقاً نہیں ہو رہا ہے بلکہ یہ ایک ایسی سوچی سمجھی اور گہری سازش کا نتیجہ ہے جس کا ہدف سارا عالمِ اسلام ہے۔ دشمنانِ اسلام اس دین کے حقائق، ان حقائق کی صداقتوں اور ان کے اثرات سے بخوبی واقف ہیں، چنانچہ آج کل ان کی تمام تر کوششیں اس طرف مرکوز ہیں کہ مسلمان نہ صرف ان حقائق سے ناواقف رہیں بلکہ انہیں ان سے منحرف بھی کر دیا جائے

اور ان کی موجودہ لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں گمراہی کے مختلف راستوں پر ڈالا جاسکے۔ ازآنجملہ ایک اہم چیز یہ بھی ہوسکتی ہے کہ عالمِ اسلام کے اُس عظیم سالانہ اجتماع کو، جسے حج کہتے ہیں، غلط تاریخوں پر ڈال کر اُسے ایک جسدِ بے جان بنا دیا جائے تاکہ برکات اور قبولیتِ دُعا کا یہ عظیم موقع، خدا کے مقرر کردہ حساب سے ہٹ جانے کی بنا پر اپنی مابعد الطبیعیاتی افادیت کھو بیٹھے اور اس کے وہ حقیقی اثرات مترتب نہ ہوں جو صحیح تاریخ پر انجام دیئے جانے کی شکل میں ہوسکتے ہیں۔ دشمنانِ اسلام کی جانب سے اس قسم کی رخنہ اندازیوں کے قرائن اِس زمانے میں بہت قوی ہیں۔ اب غور کر لیا جائے کہ ان حالات میں اسلامی ملکوں کی حکومتوں اور خصوصاً علمائے کرام پر صورتِ حال کی اصلاح کرنے کی کس قدر عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کیا تعجب ہے کہ اپنی اہم ترین عبادتوں سے ایسی لاپروائی، ان کی صحیح تاریخوں کے تعیّن کے اصول اور ان کی روح سے ایسی ناقابلِ یقین لاعلمی اور انہیں اتنا ہلکا سمجھنا ہماری موجودہ محرومیوں اور ناکامیوں کے اسباب میں سے ایک سبب ہو۔

لمعاتِ زنداں

خرم جاہ مراد
مرتبہ
لمعت النور

اُن خطوط کا مجموعہ جو امیر جماعت اسلامی ڈھاکہ خرم جاہ مراد نے جنوری سنہ ۱۹۶۴ء میں گرفتار ہونے کے بعد ڈھاکہ سنٹرل جیل سے اپنی رفیقۂ حیات کے نام لکھے۔

★ ابتلا و آزمائش سے گذرتے ہوئے ایک مومن کی ذہنی و قلبی کیفیات کا عکس۔

★ عملی حالات میں قرآنی سرچشمۂ ایمان سے اکتسابِ ہدایت

قیمت: ۱/۷۵

ادارہ مطبوعات طلبہ ۶۴-م، سید چوک، کراچی